قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر۔ ابو سعید

Online Edition

منگل یکم ستمبر 2020ء | 13 محرم الحرام 1442 ہجری قمری | جلد:2 | شمارہ:208

فرمانِ رسول ﷺ

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنۡ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوۡحِیۡ اَرُدُّ عَلَیۡہِ السَّلَامَ

(ابوداؤدکتاب المناسك باب زیارۃ القبور)

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا اس کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ میری روح کو واپس لوٹا دے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دے سکوں۔ (یعنی آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے والے کو اس درود کا ایسا اجر اور ثواب ملے گا جیسے خود حضورؑ سلام و درود کا جواب مرحمت فرما رہے ہوں۔)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

مسلمانوں میں اندرونی تفرقہ کی وجہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’مسلمانوں میں اندرونی تفرقہ کا موجب بھی یہی حُبّ دنیا ہی ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم ہوتی تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا تھا کہ فلاں فرقے کے اصول زیادہ صاف ہیں اور وہ انہیں قبول کر کے ایک ہو جاتے۔ اب جبکہ حُبِّ دنیا کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہو رہی ہے تو ایسے لوگوں کو کیسے مسلمان کہا جا سکتا ہے جبکہ ان کا قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ یعنی (کہو) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔ اب اس حُبُّ اللہ کی بجائے اور اِتّباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حُبُّ الدنیا کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتّباع ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیادار تھے؟ کیا وہ (نعوذ باللہ) سود لیا کرتے تھے؟ یا فرائض اور احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں غفلت کیا کرتے تھے؟ کیا آپ میں معاذ اللہ نفاق تھا، مداہنہ تھا؟ دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے؟ غور کرو! اِتّباع تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کیسے کیسے فضل کرتا ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 348-349۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

آپ علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

’’مَیں سچ کہتا ہوں (اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں) کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا جو اعلیٰ درجہ کے تزکیہ نفس پر ملتے ہیں۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتّباع میں کھو یا نہ جائے اور اس کا ثبوت خود خدا تعالیٰ کے کلام سے ملتا ہے: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ اور خدا تعالیٰ کے اس دعویٰ کی عملی اور زندہ دلیل مَیں ہوں۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 204۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

ارشاد باری تعالیٰ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

(آل عمران: 32)

ترجمہ: تُو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

فرمان خلیفہ وقت

مسلمانوں کی ابتر حالت کی وجہ

کیا اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے اس کا یہی حال ہوتا ہے جو آجکل کے مسلمانوں کا ہے۔ علماء جن کو عامۃ المسلمین عام طور پر اللہ تعالیٰ کا پیارا سمجھتے ہیں، اس کے قریب سمجھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ دنیا میں فساد پیدا کر رہے ہیں۔ اب تو خود پاکستان میں بعض تجزیہ نگار اور کالم نویس اخباروں میں بھی لکھنے لگ گئے ہیں، دوسرے میڈیا پر بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ان نام نہاد علماء نے ایسی کر دی ہے۔ پس اس وقت مسلمان علماء کی عمومی حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی قرآن اور سنت کی حقیقت بتانے والا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق بھیج دیا ہے۔ لیکن علماء نہ خود اس کی بات سننا چاہتے ہیں، نہ عوام کو سننے دیتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کے خلاف کفر کے فتوے دے کر ایک عمومی خوف وہراس اور فتنہ وفساد کی صورت پیدا کر دی ہے۔

یہ الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہر روز لگتا ہے کہ آپ نے نعوذ باللہ دنیاوی خواہشات کی تکمیل اور اپنی بڑائی کے لئے جماعت کا قیام کیا ہے۔

بہرحال ہم جانتے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تجدید و تکمیل اشاعت کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تھا۔ قرآن کریم کے علوم و معارف کا فہم و ادراک آپ کے ذریعہ سے ہی ہمیں حاصل ہوا۔ آپ نے ہر موقع پر قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اس آیت قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ کو مختلف مواقع پر مختلف زاویوں اور معانی کے ساتھ آپ نے پیش فرمایا اور یہی وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب دلا کر، اس کا پیارا بنا کر فتنہ و فساد کی حالت سے نکالنے والی بن سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے لئے اپنی بقا کو قائم رکھنے کے لئے، اپنے ملکوں میں امن قائم رکھنے کے لئے، اسلام کی شان و شوکت کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں۔ نیک نتائج اس وقت قائم ہوں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پیروی ہو گی ورنہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نعرہ بھی کھوکھلا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کا نعرہ بھی کھوکھلا ہے۔

(خطبہ جمعہ 20 اکتوبر 2017ء)

اس شمارہ میں

- ذکر خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا (منظوم)
- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش
- مکرم حاجی غلام مصطفیٰ
- ایک معیاری مقالے کی خصوصیات

دربارِ خلافت

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بارہ میں ایک عیسائی سے آپ کی بحث ہو رہی تھی۔سوال جواب ہو رہے تھے۔ اس عیسائی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ کہا ہے کہ ’’میرے پاس آؤ تم جو تھکے اور ماندہ ہو کہ مَیں تمہیں آرام دوں گا‘‘اور یہ (بھی کہا عیسیٰ علیہ السلام نے) کہ ’’میں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں۔ میں زندگی اور راستی ہوں۔‘‘(یعنی میں روشنی ہوں۔ میں رستہ دکھانے والا ہوں۔ میں زندگی دینے والا ہوں۔میرے پاس آؤ۔تو عیسائی نے سوال کیا کہ) ’’کیا بانیٔ اسلام (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کئے ہیں؟‘‘ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ’’قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے‘‘۔فرمایا کہ ’’یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا پیارا بن جاتا ہے مسیح کے گزشتہ اقوال پر غالب ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ انسان خدا کا پیارا ہو جائے۔‘‘(مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ روشنی پاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ اعلان کریں کہ جو میری پیروی کرے گا وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا اور گناہ بھی بخشے جائیں گے۔) فرماتے ہیں کہ ’’پس جس کی راہ پر چلنا انسان کو محبوبِ الٰہی بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کس کا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے‘‘۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 372)

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف عیسائی پادری عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان عیسائی ہو چکے تھے۔مسلمان علماء اور دوسرے لیڈروں کو توفیق نہیں تھی کہ اسلام کا دفاع کرسکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور شان کو ایسے رنگ میں بیان کریں کہ غیر مسلموں کے منہ بند ہوسکیں۔ ایسے وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا مقابلہ کیا۔ آپ ہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اور پھر ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ عیسائی پادریوں کے اسلام پر حملے کو اللہ تعالیٰ کے اس پہلوان نے، اس جری اللہ نے دلائل اور براہین سے روکا۔ اور نہ صرف روکا بلکہ پسپا کیا اور اس بات کا اظہار اس وقت کے مسلمانوں نے کیا۔ تاریخ میں ہمیں ملتا ہے بلکہ اِس زمانے کے علماء جو ہمارے مخالف ہیں انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا۔ چنانچہ چند سال پہلے ڈاکٹر اسرار احمد جو فوت ہو گئے ہیں انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اُس زمانے میں حقیقت میں اسلام کا دفاع حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے ہی کیا تھا۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح آپ نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بلند کیا کسی اور مسلمان عالم کو اس کی توفیق نہیں ملی۔

پھر قُلْ اِنْ کُنْتُمْ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بھی خوبصورت استدلال آپ نے پیش فرمایا۔عربوں میں تو خاص طور پر اب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ سمجھا جاتا ہے اور یہ ان کا بڑا راسخ نظریہ ہے۔ بہرحال اس کا ردّ کرتے ہوئے اس دلیل سے آپ فرماتے ہیں کہ:

’’میرے نزدیک مومن وہی ہوتا ہے جو آپ کی اِتّباع کرتا ہے اور وہی کسی مقام پر پہنچتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ یعنی کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت

بقیہ صفحہ 8 پر

آج کی دعا

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا

(سورۃ نوح: آیت 29)

ترجمہ: ’’اے میرے ربّ! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور اسے بھی جو بحیثیت مؤمن میرے گھر میں داخل ہوا۔ اور سب مؤمن مردوں اور سب مؤمن عورتوں کو بھی۔ اور تو ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھانا۔‘‘

یہ حضرت نوحؑ کی مؤمنوں کے حق میں بخشش کی اور دشمنوں کے خلاف تباہی کی دعا ہے۔

قومِ نوح نے اپنے نبی کا انکار کیا اور خدا کی طرف سے عذاب کی خبر پا کر جب حضرت نوحؑ نے ان کو خبردار کیا تو وہ ہنسی اور تمسخر کرتے رہے۔ اللہ نے سوائے چند سعید روحوں کے اس ساری سرکش قوم کو سیلاب سے تباہ کر دیا۔ اور نیک لوگوں کو اس کشتی نوح کے ذریعہ سے خدا نے نجات دی جو حضرت نوحؑ نے خدائی اذن سے تیار فرمائی تھی۔

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

ذکر خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا

ذکر خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا

دوستوں دشمنوں میں فرق دابِ سلوک یہ نہیں
آپ بھی جامِ مے اڑا غیر کو بھی پلائے جا

خالی امید ہے فضول سعیٔ عمل بھی چاہیے
ہاتھ بھی تو ہلائے جا ،آس کو بھی بڑھائے جا

جو لگے تیرے ہاتھ سے زخم نہیں علاج ہے
میرا نہ کچھ خیال کر زخم یونہی لگائے جا

مانے نہ مانے اس سے کیا بات تو ہوگی دو گھڑی
قصۂ دل طویل کر بات کو تو بڑھائے جا

کشورِ دل کو چھوڑ کر جائیں گے وہ بھلا کہاں؟
آئیں گے وہ یہاں ضرور تو انہیں بس بلائے جا

منزلِ عشق ہے کٹھن راہ میں راہزن بھی ہیں
پیچھے نہ مڑ کے دیکھ تُو آگے قدم بڑھائے جا

عشق کی سوزشیں بڑھا جنگ کے شعلوں کو دبا
پانی بھی سب طرف چھڑک آگ بھی تو لگائے جا

(کلام محمود صفحہ 197)

(اخبار الفضل جلد 2 ۔ 9جولائی 1948ء۔ لاہور پاکستان)

تبرکات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش
تبرکات حضرت مرزا بشیر احمد

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے مبلغ انگلستان کا حسب ذیل مضمون اپنے ان الفاظ کے ساتھ اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔

’’مکرمی مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے مبلغ لندن نے ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر اور تاریخ پیدائش کی تعیین کے متعلق لندن سے ارسال فرمایا۔ مجھے درد صاحب نے اجازت دی ہے کہ اگر مناسب ہو تو مضمون میں تبدیلی کر لی جائے لیکن چونکہ مضمون بہت محنت اور تحقیق کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور ایسے تحقیقی مضامین میں رائے کا اختلاف چنداں قابلِ لحاظ نہیں ہوتا اس لئے باوجود اس مضمون کے بعض حصص سے اختلاف رکھنے کے میں اسے بغیر کسی تبدیلی کے آپ کی خدمت میں بغرض اشاعت ارسال کرتا ہوں‘‘

ذیل میں مذکورہ بالا مضمون شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے (ایڈیٹر)

الفضل مورخہ 11جون 1933ء اور 18جون 1933ء میں سید احمد علی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق بہت مفید حوالے جمع کئے ہیں اور مکرمی مولوی اللہ دتا صاحب (ابوالعطاء جالندھری۔ ناقل) نے اپنی کتاب تفہیماتِ ربّانیہ میں صفحہ 100 سے 112 تک آپ کی عمر کے متعلق عالمانہ بحث کی ہے لیکن دونوں صاحبوں نے ’’اہلحدیث‘‘ مجریہ 26 مئی 1933ء اور مولوی صاحب نے عشرۂ کاملہ کا جواب دیا ہے۔ میرے نزدیک آپ کی عمر کا سوال ایسا ہے کہ اسے مستقل حیثیت سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

عمر کے متعلق الہامات

الہام ثَمَانِیْنَ حَوْلاً اَوْ قَرِیْباً مِنْ ذَالِكَ اَوْ تَزِیْدُ عَلَیْهِ سَنِیْنًا وَ تَرٰی نَسْلاً بَعِیْداً (اربعین نمبر 3۔ طبع دوم صفحہ 36۔ اور ضمیمہ تحفہ گولڑویہ طبع دوم صفحہ 29) اور الہام وَ تَرٰی نَسْلاً بَعِیْداً وَ لَنُحْیِیَنَّكَ حَیٰوةً طَیِّبَةً ثَمَانِیْنَ حَوْلاً اَوْ قَرِیْباً مِنْ ذَالِكَ (ازالہ اوہام حصہ دوم طبع اول صفحہ 634و635) کا مطلب حضرت مسیح موعودؑ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔

’’جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو 74اور 86 کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 97)

پس اگر آپ کی عمر شمسی یا قمری حساب سے اس کے اندر اندر ثابت ہو جائے تو یہ الہامات پورے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کی پیدائش 1836ء و 1822ء کے اندر ثابت ہو جائے تو کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ پیدائش کا تعیّن

یقیناً ہماری طرف سے جو کچھ اس بارے میں لکھا گیا ہے اس سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے الہامات پورے ہو گئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا تعین ایک بالکل الگ سوال ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہئے کہ ان الہامی حدود کے اندر اندر بحیثیت مجموعی آپ کی تاریخ پیدائش کہاں تک معین کی جا سکتی ہے۔

تاریخ پیدائش کے فیصلہ کا طریق

یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہ تھی کیونکہ حضور فرماتے ہیں۔

’’عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 193)

اسی طرح غالباً ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کوئی یادداشت نہیں کیونکہ اس زمانہ میں بچوں کی عمر کے لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا۔ ایسی صورت اصل تاریخ پیدائش کا فیصلہ دو ہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو کسی کے پاس کوئی ایسی مستند تحریر مل جائے جس میں تاریخ پرانے زمانہ کی لکھی ہوئی ہو یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مخالفین کی تحریرات پر یکجائی نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ زیادہ میلان کس سن کی طرف ہے۔

قابلِ غور امور

پیشتر اس کے کہ مختلف تحریرات پر اس طرح نظر ڈالی جائے دو تین امور قابل غور ہیں اور وہ یہ کہ میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریر سے مجھے (سید احمد علی صاحب نے انجام آتھم حاشیہ صفحہ 7 کا بھی حوالہ دیا ہے جو اس طرح ہے۔ ’’آتھم کی عمر قریباً میرے برابر تھی۔‘‘ پھر اس کتاب کے صفحہ 206 پر فرمایا ’’کمثل کان فی عمروھن‘‘ دکھلاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب 64 سال کے (اعجاز احمدی صفحہ 3) یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ آتھم 27 جولائی 1896ء کو مرا تھا۔ (انجام آتھم صفحہ 1) اس لئے آپ کی عمر 76 سال ہوئی درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جس رنگ میں اپنی عمر آتھم کے برابر ظاہر کی ہے وہ ایسا نہیں کہ صرف ایک حوالہ کو لے کر نتیجہ نکال لیا جائے۔ آتھم کے مقابلہ میں جس امر پر آپ زور دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ’’ہم دونوں پر قانون قدرت یکساں مؤثر ہے‘‘ (اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ مورخہ 20 ستمبر 1894ء) پھر فرماتے ہیں ’’ہم اور آتھم صاحب ایک ہی قانون قدرت کے نیچے ہیں۔‘‘ (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ) عمر کے متعلق جو وضاحت فرمائی ہے وہ اس طرح ہے۔

’’اگر آتھم صاحب 64 برس کے ہیں تو عاجز قریباً 60 برس کا ہے۔‘‘ (اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ مورخہ 20 ستمبر 1894ء)

پھر فرماتے ہیں کہ: ’’اور بار بار کہتے ہیں (آتھم صاحب) کہ میری عمر قریب 64 یا 68برس کی ہے۔۔۔۔۔۔ دیکھو میری عمر بھی تو قریب ساٹھ برس کے ہے۔‘‘ (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ)

پھر فرماتے ہیں: ’’آپ لکھتے ہیں کہ قریب ستر برس کی میری عمر ہے اور پہلے آپ اس سے اسی سال کے کسی پرچہ ’’نور افشاں‘‘ میں چھپا تھا کہ آپ کی عمر 64 برس کے قریب ہے۔ پس میں متعجب ہوں کہ اس ذکر سے کیا فائدہ۔ کیا آپ عمر کے لحاظ سے ڈرتے ہیں کہ شاید میں فوت نہ ہو جاؤں۔ مگر آپ نہیں سوچتے کہ بجز ارادۂ قادر مطلق کوئی فوت نہیں ہو

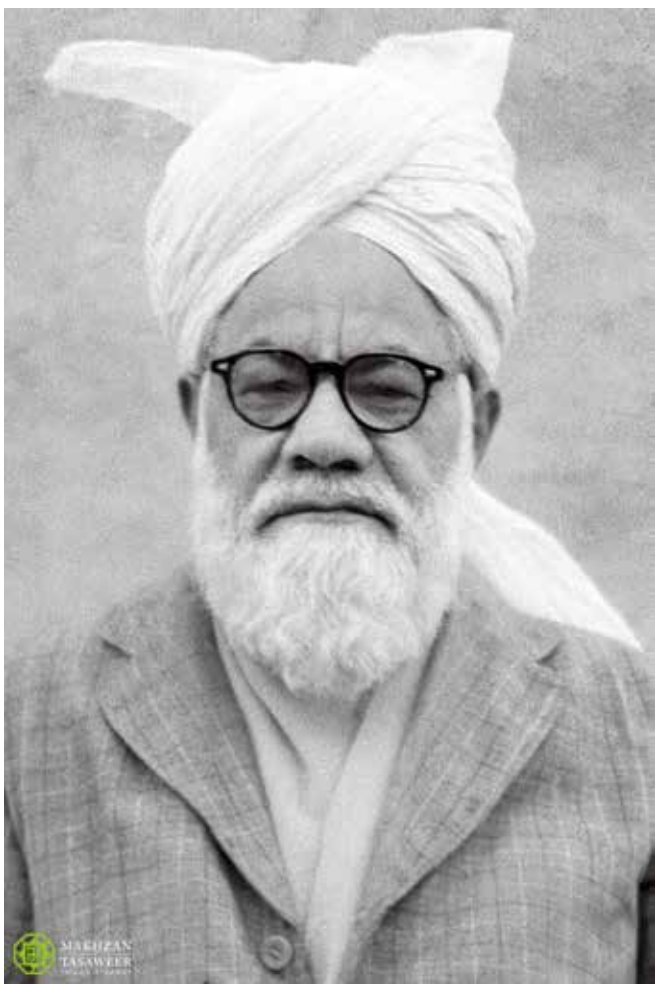

سکتا۔۔۔۔۔۔ اگر آپ 64 برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریباً 60 کے ہو چکی‘‘ (اشتہاری انعام تین ہزار روپیہ مورخہ 5 اکتوبر 1894ء)

پس ان واضح تحریروں کے ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر آتھم کے بالکل برابر نہیں قرار دی جا سکتی۔ بلکہ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

’’بہتیرے سو سو برس زندہ رہتے ہیں۔ مگر عبداللہ آتھم کی جیسا کہ نور افشاں میں لکھا گیا ہے صرف اب تک 64 برس کی عمر ہے۔ جو میری عمر سے صرف چھ سات برس ہی زیادہ ہے۔ ہاں اگر مسیح کی قدرت پر اب بھروسہ نہیں رہا۔۔۔۔۔۔ مرنے کا قانون قدرت ہر یک کے لئے مساوی ہے۔ جیسا آتھم صاحب اس کے نیچے ہیں۔ ہم بھی اس سے باہر نہیں اور جیسا کہ اس عالم کون و فساد کے اسباب ان کی زندگی پر اثر کر رہے ہیں۔ ویسا ہی ہماری زندگی پر بھی مؤثر ہیں‘‘

(انوار الاسلام حاشیہ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 38-37)

پس میں سمجھتا ہوں کہ آتھم کے مقابلہ میں جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے وہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک موٹا اندازہ ہے۔ اصل غرض آپ کی عمر کا تعین نہیں بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ زندہ رکھنا اور مارنا خدا کے اختیار میں ہے۔ اور قانون قدرت کے اثر کے لحاظ سے دونوں کی عمروں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔

دوسرا امر جو قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد مقامات پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ’’جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف فرمایا۔‘‘ (تریاق القلوب صفحہ 68 و براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 105۔ اور آئینہ کمالات اسلام صفحہ 548) لیکن جہاں تک مجھے علم ہے۔ آپ نے یہ کہیں فرمایا۔ ’’سب سے پہلا الہام قریباً 25 برس سے ہو چکا ہے۔‘‘ یہ اندازہ لگانا کہ چونکہ اربعین 1900ء میں تالیف ہوئی۔ اس لئے آپ کی پیدائش 1825ء میں ثابت ہوئی۔ درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ثمانین حولاً والا الہام سب سے پہلا الہام ہے اور نہ یہ کہ سب سے پہلا الہام چالیس برس کی عمر میں ہوا۔

تیسرا امر یہ ہے کہ ایک کتاب کی کسی عبارت کو اس کتاب کی تاریخ

اشاعت سے ملا کر نتیجہ نکالتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ عبارت کے لکھے جانے کی تاریخ اور کتاب کی تاریخ اشاعت میں بہت بڑا فرق ممکن ہے۔مثلاً نزول المسیح اگست 1909ء میں شائع ہوئی ہے لیکن اس کا صفحہ 117۔ اگست 1902ء میں لکھا گیا۔ جیسا کہ اس صفحہ پر لکھا ہے۔ ’’آج تک جو 10 اگست 1902ء ہے۔‘‘البتہ اشتہارات اور ماہواری رسائل کی صورت اور ہے۔ان کی تاریخ اشاعت پر نتیجہ نکالنے میں غلطی کا کم احتمال ہے۔حقیقۃ الوحی ایک ضخیم کتاب ہے۔اس کے صفحہ 201 پر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ ’’میری عمر اس وقت 68 سال کی ہے۔‘‘یہاں ظاہر ہے کہ لفظ ’’اس وقت‘‘ سے کتاب کی تاریخ اشاعت فرض کرنا نہایت غلط ہو گا۔ کیونکہ اشاعت کی تاریخ 15 مئی 1907ء کتاب پر لکھی ہوئی ہے۔

چوتھی بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر شمسی حساب مدنظر رکھتے تھے۔ یا قمری۔سو اس کے متعلق جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ عام طور پر آپ کا طریق اپنی تصانیف، اشتہارات اور خطوط میں ملک کے رواج کے مطابق شمسی حساب اور تاریخ کا شمار تھا۔ گو قمری سن بھی کہیں کہیں درج کیا گیا ہے۔ مگر کثرت سے عموماً شمسی طریق کو ہی آپ مدنظر رکھتے تھے۔ اس لئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عمر کا اندازہ بیان فرمایا ہے وہاں شمسی سال ہی مراد لئے جائیں گے۔ قمری نہیں۔ خواہ کہیں کہیں قمری سن بھی آپ نے بیان فرما دیا ہو۔

1833ء

اب دیکھنا چاہئے کہ بحیثیت مجموعی آپ کی تاریخ پیدائش کہاں تک معین کی جا سکتی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

’’جب میری عمر 40 برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف فرمایا‘‘

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ’’ٹھیک 1290ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پا چکا تھا۔‘‘(حقیقۃ الوحی صفحہ 199)

گویا کہ 1290ھ میں آپ کی عمر چالیس برس ہو چکی تھی۔ آپ کی وفات 1326ھ میں ہوئی۔ گویا قمری حساب سے پورے 36برس آپ شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے ممتاز رہے۔شمسی حساب سے 35 سال۔اس طرح آپ کی تاریخ پیدائش 1833ء ثابت ہوئی۔

1835ء

ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 97 پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ’’میری عمر 70 برس کے قریب ہے۔‘‘

یہ کتاب اندرونی شہادت سے ثابت ہے کہ 1905ء میں لکھی گئی (سیّد احمد علی صاحب نے جو حوالہ اس ضمن میں دیا ہے وہ درست نہیں۔ گو دوسرے مقامات سے یہ ثابت ہے) اس لئے آپ کی تاریخ پیدائش 1835ء معلوم ہوئی۔

ریویو بابت نومبر دسمبر 1903ء صفحہ 479 پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ’’میری عمر 70 سال کے قریب ہے۔ حالانکہ ڈوئی صرف 55 سال کی عمر کا ہے۔‘‘

اسی طرح تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 71 پر فرماتے ہیں۔ ’’میری طرف سے 23 اگست 1903ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا۔جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں 70 برس کے قریب ہوں۔ اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے۔ پچاس برس کا جوان ہے۔‘‘

ان دونوں حوالوں سے نتیجہ نکالتے وقت ایک تیسرا حوالہ بھی جو اسی کے متعلق ہے مگر کچھ پہلے کا ہے مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے۔ ’’میری عمر غالباً 66 سال سے بھی کچھ زیادہ ہے۔‘‘(ریویو اردو ستمبر 1903ء صفحہ 346) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’66 سال سے کچھ زیادہ۔‘‘ اگر اس وقت آپ کی عمر 67 سال سمجھی جائے تو تاریخ پیدائش 1835 بنی۔

1834ء

کتاب البریہ سے جو عبارت سیرۃ المہدی حصہ اول میں نقل کی گئی ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گزری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ والد بزرگوار کے انتقال کے وقت آپ کی عمر چالیس برس کے قریب تھی۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ سلسلۂ مکالمات الٰہیہ کے شرف کے وقت آپ نے اپنی عمر متعدد مقامات پر چالیس برس بیان فرمائی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ آپ کے والد ماجد کی وفات کب ہوئی۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ 150 پر آپ کے والد بزرگوار کے انتقال کو 1876ء میں قرار دیا ہے۔لیکن جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر فیصلہ کن ہے اور وہ یہ ہے کہ نزول المسیح صفحہ 118-117 پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ’’آج تک جو دس اگست 1902ء ہے۔مرزا صاحب مرحوم کے انتقال کو 28 برس ہو چکے ہیں۔‘‘ گویا کہ یہ واقعہ 1874ء کا ہے۔ اس میں سے 40 نکالیں تو تاریخ پیدائش 1834ء ثابت ہوتی ہے۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش 1836ء سے پہلے پہلے کی ہے اس کے بعد یا 1839ء کسی صورت میں بھی صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تاریخی شہادتیں

کتاب البریہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ’’میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اسی طرح آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ صفحہ 544-543 پر بھی آپ یہی فرماتے ہیں۔ ’’سو اس کے متعلق تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ 1818ء کے قریب راجہ رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کو زیر کر کے ان کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔یعنی قادیان رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔‘‘(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ 110) اور پنجاب چیفس میں لکھا ہے کہ ’’رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا۔ غلام مرتضیٰ کو قادیان واپس بلا لیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک معقول حصہ اسے واپس کر دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہو گیا۔ اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں‘‘اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کشمیر کی فتح کے وقت رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل تھے۔ کشمیر 1819ء میں فتح ہوا۔ اس لئے معلوم یہ ہوتا ہے کہ گو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم قادیان میں واپس آ گئے تھے مگر قادیان کے اردگرد کے گاؤں ابھی تک نہیں ملے تھے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے۔ اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے 5 گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اسی عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنا لی تھی۔سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آ گئے تھے اور لاہور سے لے کر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔‘‘(کتاب البریہ)

پشاور 1823ء میں رنجیت سنگھ کے ماتحت آیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مصائب کا سلسلہ گو ختم ہو گیا تھا مگر ابھی فراخی نہیں شروع ہوئی تھی۔مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کو اکثر فوجی خدمات پر باہر رہنا پڑتا ہو گا اور گھر کا گزارہ تنگی ترشی میں ہوتا ہو گا۔ حتیٰ کہ غالباً 1833ء کے قریب انہوں نے کشمیر جانے کا ارادہ کیا جس کی طرف آئینہ کمالات اسلام حصہ عربی صفحہ 543 میں اشارہ کیا گیا ہے اور غالباً 1833-1834ء میں رنجیت سنگھ نے اپنے مرنے سے 5 سال پہلے قادیان کے اردگرد کے 5 گاؤں ان کی جدی جاگیر کے انہیں واپس کر دیئے۔ اس وقت تک وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں نمایاں خدمات بھی کر چکے تھے اور ان کا حق بھی ایک طرح دوبارہ قائم ہو گیا تھا۔ پس اس حساب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش 1833-1834ء کے قریب ماننی پڑے گی۔

مخالفین کی شہادت

اب دیکھنا چاہئے کہ آپ کے مخالفین آپ کی عمر کے متعلق کیا کچھ کہتے ہیں۔ لیکھرام کا جو حوالہ سیّد احمد علی صاحب نے درج کیا ہے اس کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش 1836ء اور 1833ء پیدائش کے سن نکلتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان سے بڑھ کر جس مخالف کو علم ہونا چاہئے وہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جن کو بچپن سے ہی آپ سے ملنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ ان کے اشاعت السنہ 1893ء کے حوالہ سے آپ کی پیدائش 1830ء کے قریب بنتی ہے۔

صحیح سن ولادت

غرض 1836ء انتہائی حد ہے۔ اس کے بعد کا کوئی سن ولادت تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ بحیثیت مجموعی زیادہ تر میلان 1833ء اور 1834ء کی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ شرف مکالمہ مخاطبہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ معین ہیں۔ اور یہ واقعی ایک اہم واقعہ ہے جس پر تاریخ پیدائش کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ 1290ھجری ایک معین تاریخ ہے اور اس حساب سے 1833ء کی پیدائش ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا اہم واقعہ آپ کے والد ماجد کے انتقال کا ہے۔ انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت کے متعلق جو رائے ہو وہ بھی زیادہ وزن دار سمجھنی چاہئے۔ سو اس کے متعلق آپ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی اور اپنے والد صاحب کی وفات 1874ء میں معین فرما دی۔ خلاصہ میرے نزدیک یہ نکلا کہ 1833-1834ء صحیح سنِ ولادت قرار دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(اخبار الفضل قادیان 3 ستمبر 1933ء)

مکرم حاجی غلام مصطفیٰ

(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن)

مکرم غلام مصطفیٰ صاحب کی کرونا وائرس کے باعث شہادت کی خبر ملی ہے۔ دل اُن کی جدائی کے سبب مغموم ہے لیکن اپنے مولا کی رضا پر راضی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنت میں جگہ دے اور ان کی فیملی کو صبر، ہمت اور حوصلہ عطا کرے۔ مرحوم سے میرا دوستی کا تعلق 81ء۔1980ء سے تھا۔ ان کے احمدیت قبول کرنے سے لے کر وفات تک انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک، اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے اور خلافت کے عاشق تھے۔

مکرم حاجی غلام مصطفیٰ صاحب سے میرا تعارف 1980ء میں اس وقت ہوا جب میں لیاقت میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھا اور مصطفیٰ صاحب اپنے ساتھ غریب ہاریوں (مزدوروں) اور ان کے اہل خانہ کو لے کر جامشورو آجاتے کہ اُن کو ہماری وساطت سے کسی سینئر ڈاکٹر کو دکھادیں یا ہسپتال داخل کروادیں۔ آپ اُس وقت احمدی نہیں تھے لیکن خدمت خلق کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔

پھر مجھے پتہ چلا کہ اُن پر زمین کے کسی جھگڑے کی وجہ سے سندھ میں آکر مکرم چوہدری اصغر صاحب، جن سے ان کی کوئی دور کی رشتہ داری تھی، کے ہاں رہنے لگے تھے۔ مکرم چوہدری اصغر صاحب امیر ضلع بدین تھے اور کھوسکی کے قریب ان کی رہائش تھی۔ ان کے بیٹے مکرم سلیم صاحب اُن دنوں قائد ضلع بدین تھے۔ وہاں ان کا احمدیت سے تعارف ہوا۔ مسلسل تین سال تک ان سے تبلیغ کا سلسلہ چلتا رہا۔ یہ اس دوران وہاں بھی اُن کی مسجد میں اذان باقاعدگی سے دیتے۔ جس کا انہیں شروع سے شوق تھا حتیٰ کہ جیل میں بھی اذان، نمازوں اور تہجد میں باقاعدہ تھے۔

بدین میں مکرم سمیع اللہ قمر صاحب مربی سلسلہ مرحوم اور ایک مخلص خادم مکرم نثار احمد صاحب سے ان کی بات چیت رہتی۔ میرے والد مکرم چوہدری خادم حسین صاحب سکول ہیڈ ماسٹر تھے اور اُن دنوں ان کی پوسٹنگ نندو شہر میں تھی جو بدین سے کھوسکی کے راستہ میں پڑتا تھا۔ سکول اور ہماری رہائش برلب سڑک تھی۔ یہ موٹر سائیکل پر ہوتے اور وہاں ضرور رُکتے۔ بعد میں اکثر ذکر کیا کرتے کہ ماسٹر صاحب مجھے بتاتے کہ ''میری ٹوٹی تک جائے تے میں حضور نوں خط لکھ دینا۔ اللہ انتظام کر دیندا اے'' اور میں حیرت سے ان کو دیکھا کرتا۔ اب خود میرا یہی تجربہ ہے۔ آخر انہوں نے ایک خواب دیکھنے کے بعد فوری طور پر بیعت کی۔ وہ خواب یہ تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''دو خدام کی ضرورت ہے۔'' سلیم صاحب اور پھر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک تم آجاؤ اور ایک تم۔''

آپ بیعت سے پہلے ہی جماعت کے اجتماعات وغیرہ میں شامل ہوتے۔ ایک دفعہ اس بات پر ناراض ہوئے کہ مجھے کبڈی کی ٹیم میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ بیعت کے بعد اخلاص میں بہت ترقی کی۔ تعلیم زیادہ نہیں تھی غالباً میٹرک تک لیکن توجہ سے خطبات اور سوال و جواب سن کر اتنا اعتماد آگیا تھا کہ کہتے: ''میں اب خود ہی غیر احمدی مولویوں کے لئے کافی ہوں۔ میرے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔''

1987ء میں لندن آگئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات کے بعد تو اُن سے عشق کا تعلق ہوگیا۔ 3 سال تک مسجد فضل کے کچن میں برتن دھونے اور کھانا پیش کرنے کا کام رضاکارانہ طور پر کرتے رہے۔ کبھی اگر کوئی سالن کے بارے میں کہتا کہ یہ نہیں یہ چاہئے تو کہتے: ''یہ مسیح موعودؑ کا لنگر ہے۔ سارا ہی بابرکت ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا معمول تھا کہ کسی دورہ پر روانہ ہونے سے پہلے سفر کے آغاز پر یہاں کارکنان کو تحفۃً کچھ رقم بھجوایا کرتے۔ ایک دفعہ مصطفیٰ صاحب بڑی رنجیدہ حالت میں میری خوشدامن محترمہ سارہ رحمان بٹ صاحب کے پاس آئے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں پریشان ہو؟ کہنے لگے میں تو کچن میں اللہ کی رضا کی خاطر کام کرتا ہوں لیکن لوگ مجھے ''کمی'' سمجھنے لگے ہیں اور آج تو حد ہوگئی۔ اب تو حضورؒ نے بھی مجھے کمی سمجھ کر مکرم عیسیٰ صاحب کو کہا ہے کہ میری طرف سے مصطفیٰ کو 10 پاؤنڈ دے دو۔ میں نے تو نہیں لئے اور یہاں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ: ''یہ تم نے کیا کیا ہے۔ جاؤ اور وہ پیسے لا کر مجھے دے دو۔ وہ تو خلیفۂ وقت کا دیا ہوا تحفہ ہے اور انتہائی بابرکت ہے۔ مجھے لا دو میں خود رکھ لوں گی۔''

اس پر انہیں احساس ہوا اور واپس پہنچے تو مکرم عیسیٰ جو پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں کام کرتے تھے مسکرائے اور کہنے لگے میں انتظار ہی کر رہا تھا کہ تم واپس آؤ گے۔

انہوں نے وہ 10 پاؤنڈ اپنے پاس رکھ لئے ان سے انہیں اتنی برکت عطا ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے انہیں مالا مال کر دیا۔ کم پڑھے لکھے ہونے کے باوجود دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں رضا کارانہ خدمت کرتے اور گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے وسیع رزق کا سامان کر دیا۔ پہلے ایک مکان لیا پھر دوسرا، تیسرا ایک دکان مع متعدد فلیٹس۔ ان کا اس طرح گزارا چلنے لگا اور پورا وقت نمازوں اور جماعتی خدمت میں صرف ہونے لگا۔

جن دنوں آپ کچن میں کام کرتے تھے اس وقت کی بات ہے کہ ایک روز رات کچھ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے جو Augustus Road پر نئے بننے والے فلیٹس پر حفاظت کی ڈیوٹی پر مامور تھے تو کچھ چور وہاں آگئے۔ ڈیوٹی والے تو بھاگ گئے لیکن مصطفیٰ صاحب نے چور کو پکڑلیا اور پولیس کو بلا کر ان کے حوالے کیا۔ فلیٹس کے مالک نے انہیں سیکورٹی کی ڈیوٹی دے کر ایک فلیٹ رہائش کیلئے دے دیا جس میں یہ فلیٹس مکمل ہونے تک رہائش پذیر رہے۔ یہیں پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی شفقت سے ان کی شادی کے بعد ان کی بیگم تشریف لائیں۔ اُن دنوں لندن جماعت میں مہمان خانہ کوئی نہیں تھا اور مصطفیٰ صاحب عشاء کے بعد کھلی دعوت دیتے کہ رات رہنے کیلئے کوئی بھی ان کے ساتھ جا سکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے بزرگانِ سلسلہ بھی عام لوگوں کے علاوہ ان کے ہاں ٹھہرتے۔ یہ معمول انہوں نے زندگی بھر نہیں چھوڑا اور انتہائی اخلاص کے ساتھ دعوت دے کر مہمانوں کو اپنے ساتھ ٹھہراتے۔ جلسہ سالانہ اور اجتماعات کے موقع پر بھی ان کا گھر ہمیشہ مہمانوں سے بھرا رہتا۔ ہمیشہ یہی کہتے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے کی برکت سے ہی سب کچھ ملا ہے اور شکر کا اظہار کرتے رہتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کو مکان خریدنے کی تحریک کی تو ان کے پاس deposit کی رقم نہیں تھی۔ خود حضورؒ نے زور دے کر ان کو عاریتاً دی اور جب مکان خرید لیا تو خود حضورؒ نے اسے دیکھنے کا کہا اور ازراہِ شفقت ٹوٹنگ میں واقع مکان میں تشریف لے گئے۔

مصطفیٰ صاحب کو اذان دینے کا شروع سے شوق تھا۔ چنانچہ مسجد فضل

میں اذان دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے خصوصاً فجر کی اذان۔ اسلام آباد میں بھی انہیں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی شفقت سے اذان دینے کا موقع مل جاتا۔ نماز تہجد کے علاوہ بھی نوافل باقاعدگی سے ادا کرتے۔ روزہ رمضان کے علاوہ بھی رکھتے۔ چندہ دینے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ عہدیداران سے درخواست کرتے کہ سب سے پہلے ان سے یکم تاریخ کو چندہ لیا جائے اور تحریک جدید اور وقف جدید کا اعلان ہوتے ہی ان کا چندہ لیا جائے۔ آخری بیماری میں ہسپتال میں بھی یہی فکر تھی کہ چندہ ابھی تک ادا نہیں ہوا لیٹ ہوگیا ہے۔

بہت سے لوگوں کی خاموشی سے مدد کرتے اور باقاعدگی سے پاکستان رقم بھجوایا کرتے۔ بچوں کو اور اپنی اہلیہ کو ہمیشہ یہی تلقین کرتے کہ یہ جو ہم کھاتے ہیں چندے کی برکت ہے۔ مہمان نوازی کی برکات کے بارے بتاتے رہتے۔ متعدد مرتبہ انہیں عمرہ کرنے کی توفیق ملی۔ جب بدین میں تھے تو لوگوں نے انہیں حاجی کہنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ واقعی حاجی کیوں نہیں بن جاتے۔ چنانچہ 2010ء میں انہوں نے حج کی سعادت پائی۔

انہیں قادیان سے بھی محبت تھی اور اکثر وہاں چلے جاتے۔ مرکز میں اپنا مکان ہونے کی خواہش پر ایک وسیع مکان بنوایا اور پھر جماعت کو استعمال کیلئے پیش کر دیا۔ بے حد نڈر اور بیباک احمدی تھے۔ پاکستان جاتے تو اپنے عزیزوں اور جاننے والوں کو احمدیت کا پیغام دیتے۔ بہت سے غیر از جماعت دوست ان کے زیر تبلیغ رہے۔ اپنی پہلی بیٹی

بقیہ صفحہ 7 پر

ایک معیاری مقالے کی خصوصیات

(قارئین مضمون لکھتے وقت درج ذیل قیمتی ہدایات کو مدنظر رکھیں)

(درثمین خان)

ہر ایک محقق جانتا ہے کہ علم ایک سمندر ہے، جس کی گہرائی کو مکمل طور پر جاننا انسان کے لئے ممکن نہیں۔ انسان کی علمی عظمت کا تمام انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اس سمندر کی گہرائی میں کس حد تک اتر سکتا ہے اور قیمتی علمی نتائج کے کس قدر جواہرات اپنے ساتھ لاکر دنیا کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ ہر محقق جانتا ہے کہ اس کی علمی کوششیں کامیاب ہوں اور بلاشبہ ہر محقق کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے۔

اس لئے مقالہ کچھ ایسی صفات اور خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے جس کے بغیر تحقیقی سفر کی کامیابی کے خواب کی تعبیر نہیں مل سکتی۔ یہ خصوصیات ہر علم کے سمندر میں غوطہ زنی کے دوران ایک محقق کی معاون اور مددگار ہوتی ہے۔

مقالہ اس رپورٹ کو کہتے ہیں جسے کوئی محقق اپنے تحقیقی کام کو تکمیل کے بعد پیش کرتا ہے۔ ایک معیاری مقالہ وہ ہوتا ہے جس کی تیاری میں درج ذیل ان اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہو:

مواد کی ترتیب و تنظیم

مقالہ نگاری کا ایک اصول یہ ہے کہ موضوع سے متعلق جمع شدہ مواد کو اچھے اسلوب میں مدون و مرتب کیا جائے۔ مواد کی ترتیب و تنظیم کے مرحلہ پر پہنچ کر محقق کو چاہئے کہ:

i۔ وہ اپنے خیالات اور علم کی ایک شکل مقرر کر لے

ii۔ صرف متعلقہ مواد کو خوب احتیاط کے ساتھ منظم و مرتب کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ کام کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو اس کی ترتیب و تنظیم عمدہ ہو تو اسے پذیرائی بھی ملتی ہے۔

ان مقاصد کے حصول کی خاطر ضروری ہے کہ محقق پہلے تحریری شکل میں ایک خاکہ تیار کر لے۔ اس طرح مطالعہ کی صورت حال اس کے ذہن میں واضح ہو جائے گی اور اس کے مطابق وہ اس کو خوب صورت انداز میں پیش کر سکے گا۔ تحریری خاکہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مقالہ کے مختلف اجزاء کا ربط واضح ہو جاتا ہے۔ مقالے کا ہر ایک حصہ باہم مربوط ہونا چاہئے۔ تب ہی اس کو صحیح معنوں میں معیاری مقالہ کہا جا سکتا ہے۔

مواد کی تنظیم و ترتیب میں خاکہ کی افادیت یہ بھی ہے کہ اس کی روشنی میں ابواب کے عنوان اور ذیلی سرخیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ اس کام کو احتیاط سے کرنا چاہئے کیونکہ سرخیاں قاری کے لئے تمام مواد کو ایک نظر میں پیش کرتی ہیں، اس کی مدد کرتی ہیں کہ وہ مقالہ میں اپنے مطلب کی چیز پالے۔

۲۔ تسوید مقالہ

مقالہ سے متعلقہ مواد کو منظم و مرتب کر لینے کے بعد اسے لکھنے کی باری آتی ہے۔ اصطلاح میں اسے ''تسوید'' کہتے ہیں۔ تسوید مقالہ بہت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ اس پر پہنچ کر محقق کو اپنے موضوع سے متعلقہ مرتب شدہ مواد کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔

ماہرین لکھتے ہیں:

مواد کی ترتیب کے بعد مقالہ لکھنے کا کام شروع ہوتا ہے۔ اس مواد کی تلاش، چھان بین اور ترتیب میں جس محنت، دیانت اور وقت نظر کا ثبوت دیا گیا ہے، مقالہ کی تسوید میں بھی اس کا اہتمام ضروری ہے۔ واضح فکر، مواد کی منطقی ترتیب، صحیح ترجمانی اور مؤثر طرز تحریر میں ایک قطعی رشتہ ہے۔ جس سے مقالہ کی تحریر میں عالمانہ شان اور محققانہ وقار پیدا ہوتا ہے۔

آغاز تحریر کے اصول

تحریر کا آغاز موضوع سے کرنا

مقالے کی تحریر کا آغاز براہ راست اپنے موضوع سے کرنا ہی اچھا اور سائنسی طریقہ کار سمجھا جاتا ہے۔ طویل تمہید اور تبصروں سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے مقالہ کی ضخامت بڑھ جاتی ہے جو ایک عیب سمجھا جاتا ہے۔ مقالہ کی قدر و قیمت اس بات سے نہیں جانچی جاتی کہ محقق نے اپنے موضوع کے بارے میں کتنا کہا ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کیا کہا ہے اور کس انداز سے کہا ہے۔ بعض محققین بظاہر خوبصورت لیکن موضوع سے غیر متعلقہ بیانات اور غیر ضروری معلومات مقالے میں شامل کر کے اس حجم کو بڑھا دیتے ہیں لیکن واضح طور پر کسی اہم نتیجے پر پہنچتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔ اس لئے براہ راست موضوع سے شروع کرنا مقالہ نگاری کا اہم اصول ہے۔ وہ مقالہ جس کی تیاری میں اس اصول کا لحاظ رکھا گیا ہو وہ معیاری کہلاتا ہے۔

اسلوب تحریر

مقالے کے لئے اس کے اسلوب تحریر کا معیاری ہونا لازمی ہے۔ اہل علم حضرات اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ ایک اہم اور عمدہ بات کو اگر دلکش انداز میں بیان نہ کیا جائے تو اس کی طرف سامعین اور قارئین متوجہ نہیں ہوتے۔ اس کے مقابلہ میں عام سی بات کو اگر اچھے انداز میں پیش کیا جائے تو وہ ان کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے محقق کو خوب محنت اور لگن سے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جو بات بھی لکھے سوچ سمجھ کر موقع محل کے مطابق سیدھے سادھے انداز میں لکھے اور قاری کے لئے اس میں دلچسپی و لگن پیدا کرے۔

انداز تحریر کی خصوصیت

انداز تحریر ہر ایک شخص اور موضوع کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ مقالہ کے اسلوب تحریر کو دو خصوصیات سے مزین ہونا چاہئے ایک سنجیدگی اور دوسری اثر۔ ان دونوں کے ساتھ تکمیل، وحدت اور وضاحت وغیرہ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

مقالے کی زبان

مقالے کی زبان عام فہم، سادہ اور دلکش ہو۔ ثقیل اور طویل نوعیت کے جملوں سے گریز کیا جائے۔ جس زبان میں مقالہ لکھا جا رہا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری زبان کے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ اگر استعمال ضروری ہو تو انہیں بریکٹ میں لکھا جائے۔

ماہرین نے زبان کے متعلق درج ذیل تجاویز پیش کی ہیں:

i۔ مقالہ عام طور پر زمانہ ماضی یا ماضی قریب میں لکھا جائے۔

ii۔ ضمائر متکلم (میں، ہم، میرا، ہمارا وغیرہ) کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

iii۔ گنتی کے اعداد اگر سو تک ہوں تو ان کو حروف میں لکھا جانا چاہئے سو سے زائد گنتی کو اعداد میں لکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر جملے کی ابتدا گنتی سے ہوتی ہے تو ان کو حروف میں ہی لکھنا چاہئے۔

الفاظ کا استعمال

معیاری مقالہ وہ ہوتا ہے جس کے جملوں میں عام فہم، سادہ اور مناسب و موزوں الفاظ کا استعمال موقع و محل کے مطابق کیا گیا ہو۔ زیادہ طویل، مرکب، غیر مستعمل اور فرسودہ الفاظ کے استعمال سے مقالہ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ الفاظ کے استعمال کے بارے میں یہ مشورہ بھی دیا جاتا ہے کہ جدید انداز میں واضح کئے ہوئے الفاظ تخلیقی ادب میں چاہے کتنی ہی اہمیت رکھتے ہوں، لیکن تحقیقی مقالے میں اس کا استعمال ایک نقص ہی سمجھا جائے گا۔ مقالہ میں مقامی یا بازاری الفاظ کا استعمال بھی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ ان کے استعمال سے زبان کی سنجیدگی ختم ہو جاتی ہے۔

تکرار کلمات سے اجتناب

معیاری مقالہ وہ ہوتا ہے جو کلمات کے تکرار سے خالی ہو کیونکہ مقالہ کا اسلوب کلمات کی تکرار سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے جملوں کی ساخت میں ایسے کلمات کو استعمال کیا جائے جو مروج اور عام فہم ہو۔ جملوں میں ایسے الفاظ اور کلمات کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہئے جو مستعمل نہ ہوں یا متروک ہوں۔

مناسب اختصار

مناسب اختصار معیاری مقالہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ جس قدر مقالہ میں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا ہو سکتا ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس قدر اختصار سے کام لیا جائے کہ مقالہ نگار قاری کو اپنا مافی الضمیر بطریق احسن منتقل نہ کر سکے۔ مقالہ کے جملوں کو مختصر، پُرمغز، سادہ، آسان اور باہم مربوط ہونا چاہئے تا کہ مفہوم کو واضح طور پر سمجھا جا سکے۔

مطالعہ مواد

ایک معیاری مقالہ کی تیاری کے لیے ضروری ہے کہ محقق نے موضوع سے متعلقہ مواد کا توجہ اور گہرائی سے مطالعہ کیا ہو۔ اپنے موضوع پر یا اس سے ملتی جلتی کتب، تحقیقی مقالے اور مضامین سے بھرپور استفادہ کیا ہو۔

جدت

اچھے مقالے کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی نہ کسی طرح کی جدت اور نیا پن پایا جاتا ہو۔ تحقیق کے میدان میں جدت کئی طرح کی ہو سکتی ہے، مثلاً:

i۔ معلوم اور معروف مواد کو نئے اور مفید اسلوب میں مرتب و مدون کیا جائے۔

ii۔ منتشر مواد کو ایک عنوان کے تحت مدون و مرتب کیا جائے۔

اقتباسات کا صحیح استعمال

i۔ اقتباس کی عبارت احتیاط سے نقل کی جائے اور اسے واوین میں رکھا جائے۔

ii۔ اگر عبارت مختصر (یعنی چار سطروں پر مشتمل) ہو تو اسے متن کے ساتھ اور متن کے قلم سے لکھنا چاہئے۔

iii۔ اگر عبارت طویل (یعنی چار سطروں سے زیادہ) ہو تو اسے متن

سے الگ کر کے لکھنا ہو گا اور اس کا قلم متن کے قلم سے نمایاں طور پر خفی ہو گا۔ اس کی سطریں بھی نسبتاً مختصر ہوں گی، یعنی دائیں بائیں جگہ چھوٹی رہے گی۔ اس طرح وہ متن کی عبارت سے نمایاں ہو گی۔''

iv۔ اقتباس لیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسے متن میں اس طرح جوڑ دیا جائے کہ وہ متن کا ایک لازمی حصہ معلوم ہو۔

حاصل کلام یہ کہ وہ مقالہ جس میں اقتباسات کی صورت میں دوسروں کی آراء یا عبارت نقل کرنے میں خوب احتیاط اور وقت نظر سے کام لیا گیا ہو وہی اصل میں معیاری مقالہ ہوتا ہے۔

جملوں اور پیراگرافز میں ربط

ایک اچھے مقالہ کی اندرونی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے جملے آپس میں مربوط ہوتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا انقطاع اور بُعد نہیں ہوتا۔ وہ سادہ، آسان اور واضح ہوتے ہیں۔ اسی طرح پیراگراف کے درمیان میں بھی ربط پایا جاتا ہے۔ یہ ایسی خوبی ہوتی ہے جو مقالہ کی خوبصورتی اور دلکشی میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

جس مقالہ میں مقررہ اصولوں کے مطابق حواشی و حوالہ جات کا اہتمام کیا گیا ہو وہ معیاری مقالہ کہلاتا ہے۔ مقالہ میں چونکہ اقتباسات کو نقل کیا جاتا ہے، اس لئے حاشیہ میں حوالہ کی صورت میں ان کتب کا اعتراف کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے مواد اخذ کیا جاتا ہے۔

خوب توجہ سے نظر ثانی کرنا

مقالہ پر نظر ثانی کرنا ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے، جو مقالہ کے مسودہ کی تکمیل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ محقق کو چاہئے کہ وہ خوب محنت، توجہ اور وقت نظر سے کئی بار اپنے مقالہ پر نظر ثانی کرے۔

مقاصد

نظر ثانی دہرانے کے عمل سے کئی مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں، مثلاً

1۔ حذف واضافہ:

مقالہ کے پہلے مسودہ کی تکمیل کے بعد نظر ثانی کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غیر متعلقہ مواد شامل ہو گیا ہے اور کچھ متعلقہ باتیں باقی رہ گئی ہیں۔ اس لئے حذف و اضافے کی ضرورت پڑتی ہے جو صرف نظر ثانی کے ذریعے ہی پوری ہوسکتی ہے۔

2۔ بہتر ترتیب:

حذف و اضافہ کا نتیجہ اصل میں ترتیب نو ہوتا ہے۔ ترتیب ایسی منطقی ہونی چاہئے کہ ایک باب دوسرے باب سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح منسلک ہو۔

3۔ حوالوں کی تصحیح:

بعض اوقات حوالوں کو لکھتے وقت محقق سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں، مثلاً:

i۔ مؤلفین اور کتب کے ناموں کے اندراج میں ردوبدل ہو جاتا ہے۔ نظر ثانی کرتے وقت اس نوعیت کی غلطیوں کا پتہ چل جاتا ہے۔

ii۔ حوالوں کے اندراج میں تکرار واقع ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کوئی حوالہ پہلی بار درج کرنا ہو تو اسکی پوری تفصیل دینا ہوتی ہے۔ یہی حوالہ جب دوبارہ دینا ہو تو مختصراً دینا ہوتا ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی جملہ تفصیلات دوبارہ درج ہو جاتی ہیں۔ ایسے تکرار کو صرف نظر ثانی اور دہرانے کے عمل سے دور کیا جاسکتا ہے۔

جملوں کی ساخت اور زبان کی بہتری

نظر ثانی کے ذریعے مقالہ کے جملوں کی ساخت اور اس کی زبان میں بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔ پہلی تسوید میں تو ساری توجہ خیالات کو کاغذ پر منتقل کرنے اور سلسلہ وار جمانے میں صرف کی جاتی ہے۔ انشا کی طرف اس قدر توجہ نہیں کی جاتی۔ دہرانے کے عمل سے زبان و بیان کو چمکانا اور نکھارنا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں! نظر ثانی کے دوران درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے:

i۔ اگر کوئی ایسی بات درج ہو گئی ہو جو اختلاف کا موجب بن سکتی ہے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہئے۔

ii۔ نظر ثانی کے دوران اگر کوئی تحقیق طلب پہلو سامنے آجائے تو اس پر تحقیق کی جائے۔

iii۔ نظر ثانی کے عمل میں صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ جلد بازی سے کام لے کر اپنی تحقیق کی قدر و قیمت کم نہ کی جائے۔

عمدہ کتابت اور جلد بندی

مقالے کی عمدہ کتابت ٹائپ اور جلد بندی اس کے معیاری ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگر مقالہ کا مواد بہت قیمتی اور عمدہ ہو لیکن کتابت یا ٹائپ اور جلد بندی اچھی نہ ہو تو وہ مقالہ معیاری نہیں کہلا سکتا اور نہ اس سے انسان متاثر ہوسکتا ہے۔

مقالے کی ہیئت

ماہرین کے نزدیک معیاری مقالہ اسے کہا جاتا جس کی ہیت درج ذیل اجزاء پر مشتمل ہو:

۱۔ سروق:

مقالے کی ابتداء سرورق سے ہوتی ہے۔ اس پر درج ذیل باتوں کا لکھنا ضروری ہے:

۱۔ مقالہ کا عنوان

۲۔ مقالہ نگار کا نام، ولدیت، بمعہ مکمل پوسٹل ایڈریس

۳۔ قیادت مجلس، حلقہ کا نام

۴۔ مقالے کے کل الفاظ کی تعداد

۵۔ صدر مجلس / امیر ضلع کے دستخط

۲۔ ہدیہ تشکر:

اس صفحہ پر مقالہ نگار ان افراد اور اداروں کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے مقالہ کی تیاری میں اس کی کسی بھی نوعیت کی مدد کی ہوتی ہے۔ شکریہ مدد کرتے وقت مبالغہ اور چاپلوسی سے اجتناب کیا جائے۔

۳۔ فہرست مضامین:

کلمات تشکر کے صفحے کے بعد مقالے کے مضامین (مشمولات) کی فہرست دی جاتی ہے۔ دیباچہ / تمہید / مقدمہ / پیش لفظ۔ مقدمہ پر مشتمل صفحات پر نمبر دو طرح سے لگائے جاسکتے ہیں۔ ایک حروف تہجی کے اعتبار سے اور دوسرے اعداد کے اعتبار سے۔

۴۔ ابواب:

مقدمہ کے بعد اصلی موضوع شروع ہو جاتا ہے: موضوع کو عام طور پر ابواب، فصول، مباحث، یا صرف فصول اور مباحث میں بانٹ دیا جاتا ہے۔

۵۔ ملحقات اور ضمیمے:

مقالہ سے متعلقہ مواد لکھتے وقت کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اہم تو ہوتی ہیں مگر انہیں متن میں ذکر کرنا مناسب نہیں رہتا۔ ایسی باتوں کو مقالہ میں ملحقات یا ضمیموں کے طور پر شامل مقالہ کر دیا جاتا ہے۔

۶۔ مصادر و مراجع کی فہرست:

یہ کسی بھی تحقیقی مقالے کی ہیئت کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ مصادر و مراجع کی فہرست کی بجائے کچھ محققین کتابیات (Bibliography) لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

بقیہ: حاجی غلام مصطفیٰ صاحب۔۔۔ از صفحہ 5

کو وقفِ نو میں شامل کیا۔ دوسری بیٹی ہوئی تو اسے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں وقفِ نو کیلئے پیش کر دیا۔ جس پر حضور نے فرمایا کہ نہیں اسے رہنے دو آئندہ بیٹا ہو گا اُس کو شامل کر لیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد بیٹا دیا جو وقفِ نو میں شامل ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے انتخاب سے ایک دن قبل جبکہ لوگ نماز کے بعد اُن سے مل کر اظہارِ تعزیت کر رہے تھے تو مصطفی صاحب نے یہ دیکھ کر دل میں سوچا کہ انتخاب خلافت سے پہلے لوگ ان سے کیوں مل رہے ہیں یہ تو ٹھیک نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ معاً میں نے نظارہ دیکھا کہ حضرت مرزا مسرور احمد کے چہرے کی بجائے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا چہرہ آ گیا ہے۔ اس پر انہیں تسلی ہوگئی اور انتخابِ خلافت کے بعد تو خلافت پر جاں نثار رہتے۔ اکثر کہتے ''یہ خلیفہ نہیں بولتا، اللہ بولتا ہے۔''

ان کی دعوت پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مع فیملی ان کے گھر واقع گریسن ہال روڈ بھی تشریف لے گئے اور انہیں مہمان نوازی کا شرف بخشا۔

جب انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اسلام آباد رہائش پذیر ہونے کا پتہ چلا تو یہی فکر تھی کہ یہ نہ ہو کہ حضور چلے جائیں اور ہم یہیں رہ جائیں۔ چنانچہ ٹلفورڈ میں اپنا مکان خرید کر وہاں منتقل ہو گئے اور خلیفہ وقت کے پیچھے نمازوں، اذان اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں رضا کارانہ خدمت کا سلسلہ جاری رکھا اور وہیں سے اپنی آخری بیماری میں ہسپتال گئے۔

اُن کی بیماری کے دوران 13 اپریل 2020ء کو میں نے ایک نظارہ دیکھا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھی تحریر کیا۔ رات کو اُن کے لئے دعا کی صبح فجر کے وقت مصطفی کے بارے میں خیال آیا تو دل میں آیا کہ وہ تو جنت میں لایا گیا ہے۔ صندوق کا اوپر والا حصہ کُھلا ہے اور اگرچہ چہرہ دکھائی نہیں دیا لیکن پتہ ہے کہ مصطفی ہے۔ ساتھ ہی زبان پر الفاظ آئے ''خدا تعالیٰ نے اُسے اپنا نور عطا کیا ہے اور اُسے بخش دیا ہے اور جنت میں جگہ دی ہے۔'' اس پر مجھے اُس کی بیوی اور بچوں کا خیال آیا تو ان الفاظ میں تسلی دی گئی۔ ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔''

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی اہلیہ اور بچوں کو بھی صبر دے اور ان کے نیک نمونے، اُن کی خوبیوں کو اپنانے اور جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆...☆...☆

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

بقیہ: دربارِ خلافت..... از صفحہ 2

کرتے ہو تو میری اِتّباع کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''اب محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ محبوب کے فعل کے ساتھ خاص موانست ہو''۔ (خاص اُنس ہو۔ ایک تعلق ہو۔) آپ فرماتے ہیں کہ ''اور مرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔'' (یعنی آپ کی وفات ہوئی۔) ''آپ نے مر کر دکھا دیا۔ پھر کون ہے جو زندہ رہے یا زندہ رہنے کی آرزو کرے؟ یا کسی اور کے لئے تجویز کرے کہ وہ زندہ رہے؟''۔ (اگر کوئی حقیقی طور پر آپ کو ماننے والا ہے تو نہ وہ زندہ رہ سکتا ہے، نہ کوئی آرزو کرے گا اور نہ ہی اس کو کسی اور کے زندہ رہنے کے نظریے پر یقین رکھنا چاہئے۔) آپ فرماتے ہیں کہ ''محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ آپ کی اِتّباع میں ایسا گم ہو کہ اپنے جذباتِ نفس کو تھام لے اور یہ سوچ لے کہ مَیں کسی کی اُمّت ہوں۔ ایسی صورت میں جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں وہ کیونکر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت اور اِتّباع کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ اس لئے کہ آپؐ کی نسبت وہ گوارا کرتا ہے کہ مسیح کو افضل قرار دیا جاوے اور آپؐ کو مُردہ کہا جاوے۔ مگر اُس کے لئے وہ پسند کرتا ہے کہ زندہ یقین کیا جاوے''۔

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 228-229۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا، آپ کی اِتّباع کا دعویٰ۔ دوسری طرف یہ کہہ کر کہ مسیح زندہ ہے اس کو افضل قرار دیا جا رہا ہے۔

پس آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جنہوں نے ہر لحاظ سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا ہے اور آپ کی شان کو بلند فرمایا ہے اور یہی آپ کی بعثت کا مقصد تھا جس پر علماء کو ہر وقت اعتراض رہتا ہے۔

اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ زندہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''غور کر کے دیکھو کہ جب یہ لوگ خلافِ قرآن و سنّت کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں تو پادریوں کو نکتہ چینی کا موقع ملتا ہے اور وہ جھٹ پٹ کہہ اٹھتے ہیں کہ تمہارا پیغمبر مر گیا اور معاذ اللہ وہ زمینی ہے''۔ (اور یہی کچھ ٹی وی چینلوں پر ہوتا رہا ہے جس پر عرب دنیا میں بڑی بے چینی پیدا ہوتی رہی ہے۔ آخر کار جب ہماری دلیلیں سنیں، ''حِوار'' کے پروگرام سنے، ایم ٹی اے پر عربی پروگرام سنے، تب بہت سارے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ان دلائل کے قائل ہوئے۔ لیکن علماء پھر بھی قائل نہیں ہو رہے۔) آپ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ زندہ اور آسمانی ہے اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے کہتے ہیں کہ وہ مردہ ہے''۔ ان کی یہ باتیں ہیں کہ وہ جھٹ کہتے ہیں کہ تمہارا پیغمبر مر گیا معاذ اللہ وہ زمینی ہے۔

(خطبہ جمعہ 20/ اکتوبر 2017ء)

یتیم کی کفالت ایک اہم فرض

حضرت مسیح موعود کی بعثت کے وقت سے خدمت خلق کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب یتامیٰ کی پرورش اور خبر گیری کیلئے اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ یتامیٰ کے کھانے کیلئے ہوسٹل میں آٹا ختم ہو گیا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے تو فوری طور پر باوجود شدید علالت کے تانگہ منگوایا اور مخیر دوستوں کو تحریک کر کے آٹا کا بندوبست کیا۔

اس کے بعد خلفاء احمدیت کی ہدایات اور راہنمائی میں یہ نظام چلتا رہا حتیٰ کہ مارچ 1989ء میں صد سالہ جوبلی کے مبارک موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے باقاعدہ طور پر کفالت یکصد یتامیٰ کے نام سے اس تحریک کا اجراء فرمایا اور فرمایا کہ اس مبارک اور تاریخی موقع پر شکرانہ کے طور پر جماعت احمدیہ ایک سو یتامیٰ کی کفالت کا ذمہ اٹھانے کا عہد کرتی ہے۔ چنانچہ یتامیٰ کی خدمات کے سائے بڑھتے بڑھتے آج قریباً پانچصد فیملیز کے 2 ہزار 7 صد یتامیٰ زیر کفالت ہیں۔

یتامیٰ کی کفالت اور پرورش میں 1۔ خورونوش 2۔ تعلیمی اخراجات 3۔ بچیوں کی شادی کے اخراجات 4۔ علاج معالجہ اور مکان کی تعمیر و مرمت اور کرایہ کے اخراجات شامل ہیں۔ جس پر کل بیس لاکھ روپے ماہوار اخراجات ہو رہے ہیں اور آمد انتہائی کم ہے۔ اس کے باعث دفتر ہذا کو مالی مشکلات کا سامنا ہے۔ ایک یتیم کی کفالت پر ایک ہزار تا تین ہزار روپے ماہوار اخراجات ہوتے ہیں۔

تمام احباب جماعت سے عموماً اور مخیر حضرات مخلصین سے خصوصاً التماس ہے کہ اس مبارک تحریک میں بڑھ چڑھ کر شرکت فرما کر ممنون فرمائیں اور ہمارے پیارے آقاؐ کی اس پیاری حدیث کا مصداق بنیں۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح دو انگلیاں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی بہترین توفیق دے۔ آمین

(سیکرٹری کمیٹی کفالت یکصد یتامیٰ دارالضیافت ربوہ)

☆...☆...☆

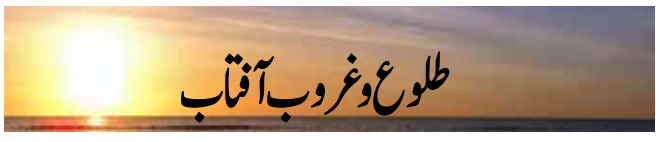

04 اگست 2020ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:33	18:58
مدینہ منورہ		04:26	19:04
قادیان		04:15	19:22
ربوہ		03:55	19:02
اسلام آباد ٹلفورڈ		04:03	20:44